# علمِ تفسیر پر ایک نظر

جناب تحسین بلخی' کینیڈا

تفسیر "فسر" سے باب تفعیل کا مصدر ہے' اور "الفسر" کے معنی ہیں کسی چیز کی معنوی صفت کو ظاہر کرنا' اور تفسیر کے بھی یہی معنی ہیں' لیکن اس میں مبالغہ کا مفہوم بھی ہوتا ہے[1] یعنی کسی چیز کی معنوی صفت کو خوب اچھی طرح واضح کر دینا۔ تفسیر کو تفسیر اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں عبارت کے معنی و مطلب کی خوب اچھی طرح وضاحت کی جاتی ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ تفسیر' تَفسِرۃ سے ماخوذ ہے' اور تفسِرۃ اس حذاقت و مہارت کا نام ہے جس کے ذریعے طبیب مرض کی شناخت کرتا ہے[2]' اور چونکہ تفسیر میں معنیٰ و مفہوم کی شناخت اور پرکھ کی جاتی ہے' اس لئے اس کو تفسیر کہتے ہیں۔

## اصطلاحی تعریف

یہ تو لغوی معنی کی مناسبت سے تفسیر کی وضاحت یا تفسیر کو تفسیر کہنے کی وجہ تسمیہ تھی' رہی علم تفسیر کی اصطلاحی تعریف' تو اس سلسلہ میں مختلف اہل فن نے مختلف طور پر اس کی تعریف کی ہے' چنانچہ "کشاف اصطلاحات الفنون" میں اس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ :

> "علم تفسیر وہ علم ہے جس کے ذریعہ نزول آیات اور ان کی کیفیت نزول اور ان کے قصص اور ان کے اسباب نزول کی معرفت حاصل ہوتی ہے' نیز قرآنی آیات کے مکی و مدنی ہونے' اور ان کے محکم و متشابہ ہونے اور ان کے ناسخ و منسوخ ہونے اور ان کے خاص و عام ہونے اور ان کے مطلق و مقید ہونے اور ان کے مجمل و مفسر ہونے اور ان کے حلال و حرام ہونے اور ان کے وعد و عید ہونے اور ان کے

---

[1] راغب اصفہانی' متوفی ۵۰۲ھ۔ مفردات القرآن۔ مادہ ف۔ س۔ ر

[2] جلال الدین سیوطی۔ متوفی ۹۱۱ھ۔ الاتقان فی علوم القرآن۔ نوع ۷۷

امر و نہی ہونے اور ان کے امثال وغیرہ ہونے کی ترتیب کی معرفت حاصل ہوتی ہے [۳]"۔

اور ابو حیان الاندلسی (متوفی ۷۵۴ھ) اپنی تفسیر کے مقدمہ میں اس کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ:۔

"تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی کیفیت نطق' اور ان کے مدلولات اور افرادی و ترکیبی احکام اور ان کے ان معانی سے بحث کی جاتی ہے جن پر الفاظ بحالت ترکیب محمول کئے جاتے ہیں [۴]"۔

اور دستور العلماء میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ:۔

"تفسیر وہ علم ہے جس میں قرآن مجید کے احوال سے' اس کے نزول' اس کی سند' اس کی کیفیت ادا' اس کے الفاظ اور اس کے ان معانی سے بحث کی جاتی ہے جن کا تعلق الفاظ اور احکام وغیرہ سے ہوتا ہے [۵]"۔

ان کے علاوہ دوسرے اہل فن نے عام طور پر اس کی جو تعریف کی ہے وہ اس طرح کہ:۔

"علم تفسیر وہ علم ہے جس میں بشری طاقت کی حد تک عربی زبان کے قواعد کے مطابق نظم قرآن کے معنی سے بحث کی جائے [۶]"۔

اور الفاظ کے معمولی سے فرق کے ساتھ تقریباً یہی تعریف علم تفسیر میں درک و بصیرت رکھنے والی دور حاضر کی ایک مشہور شخصیت شیخ محمد عظیم الزرقانی (متوفی ۱۳۶۷ھ) نے بھی کی ہے۔ [۷]

---

۳۔ محمد اعلیٰ بن علی التھانوی۔ کشاف اصطلاحات الفنون جلد اول ص ۲۴۔ ۲۵ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۲ء (ایڈٹ بائی : ڈاکٹر اسپرنگر)

۴۔ البحر المحیط جلد اول ص ۱۳ مطبوعہ مصر ۱۳۲۸ھ

۵۔ قاضی عبد النبی بن عبد الرسول احمد نگری۔ دستور العلماء فی اصطلاح العلوم والفنون۔ جلد اول ص ۳۳۱

۶۔ طاش کبریٰ زادہ (احمد بن مصطفیٰ) متوفی ۹۶۲ھ۔ مفتاح السعادہ جلد اول ص ۳۹۸ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۸ھ و حاجی خلیفہ (مصطفیٰ بن عبد اللہ۔ مشہور بہ ملا کاتب چلپی) متوفی ۱۰۶۷ھ۔ کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون جلد اول' عنوان "علم التفسیر"۔

۷۔ ملاحظہ ہو "مناہل العرفان فی علوم القرآن" جلد اول ص ۴۷۱ مطبوعہ قاہرہ (مصر) ۱۹۵۴ء

## موضوع

ظاہر ہے کہ علم تفسیر کا موضوع قرآن حکیم ہے' مگر اس حیثیت سے کہ یہ اللہ کا وہ کلام اور آخری کتاب الٰہی ہے جو اللہ نے اپنے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قیامت تک کے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نازل فرمایا۔

## غایت

علم تفسیر کی غرض و غایت اور فائدہ مختلف پیرایوں میں ہمارے علماء بیان کرتے ہیں' لیکن فرق و اختلاف صرف عبارت اور تعبیرات کا ہے' ورنہ سب کا مدعا و مفاد ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ ابدی و سرمدی سعادت اپنے دامن میں رکھنے والے اللہ کے خطاب کو سمجھا جائے اور صحیح طریقہ پر احکام شرعیہ کے استنباط کرنے پر قدرت حاصل ہو' تاکہ تکلیف شرعی کی ذمہ داریوں سے باحسن وجوہ عہدہ برآ ہو کر دنیا میں فلاح اور آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول ہو۔

## تاویل

اصطلاحی تعریف اور اصطلاحی حدود و قیود سے قطع نظر جس طرح "تفسیر" کا لفظ قرآن کی توضیح و تشریح کرنے کے مفہوم کے لئے مستعمل ہے' اسی طرح اس مفہوم کے لئے "تاویل" کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لئے نامناسب نہیں کہ یہاں اس سلسلہ میں بھی کچھ باتیں سامنے آجائیں۔

"تاویل" کی اصل "اول" ہے جس کے معنی رجوع (لوٹنا) کے ہیں[۸]' لہٰذا "تاویل" کے معنی ہوئے پھیر دینا' لوٹا دینا' گویا قرآن کی توضیح و تشریح کا مطلب دوسرے لفظوں میں آیات کو ان معانی کی طرف پھیر دینا ہوتا ہے' جن کا وہ احتمال رکھتی ہیں' اس لئے قرآن کی توضیح و تشریح کرنے کو "تاویل" بھی کہتے ہیں۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ "تاویل"

---

۸۔ راغب اصفہانی' مفردات القرآن۔ مادہ "اول"

"اِیَالۃ" سے ماخوذ ہے' جس کے معنی تدبیر و انتظام کے ہیں[۹] گویا قرآن کی توضیح و تشریح میں کلام کے نظم و ضبط پر نظر رکھتے ہوئے نہایت سلیقہ کے ساتھ معنی کو اس کی مناسب جگہ رکھا جاتا ہے اس لئے اسے "تاویل" بھی کہتے ہیں۔

## اصطلاحاً کوئی فرق ہے یا نہیں؟

یہ تو لغوی معنی کی مناسبت سے "تاویل" کی وجہ تسمیہ یا قرآن کی توضیح و تشریح کرنے کو "تاویل" کہنے کی وضاحت تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "تفسیر" اور "تاویل" از روئے اصطلاح ایک ہی اصطلاحی مفہوم کے دو تعبیری الفاظ ہیں یا ان دونوں کے درمیان کوئی فرق ہے' اور فرق ہے تو وہ کیا ہے؟ تو اس باب میں علمائے سلف کے درمیان اختلاف رائے رہا ہے۔

ابو عبید (غالباً قاسم بن سلام متوفی ۲۲۴ھ) اور ان کے ہم خیال حضرات کا موقف یہ ہے کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں[۱۰]۔ تاویل تفسیر کا مرادف ہے۔

اس مسلک کے مبنی کا سراغ لگایا جاتا ہے تو ہمارے سامنے دو باتیں آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مشہور مفسر مجاہد بن جبر (متوفی ۱۰۴ھ) کہا کرتے تھے کہ: "ان العلماء یعلمون تاویلہ[۱۱] (ای القرآن) یعنی "علماء قرآن کی تاویل جانتے ہیں"۔ اور ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی تفسیر میں جگہ جگہ یوں لکھتے ہیں کہ "اللہ کے اس ارشاد کی "تاویل" میں یہ قول ہے" اور کبھی یوں کہتے ہیں کہ: "اختلف اھل التاویل فی ھذہ الایۃ" (اس آیت میں اہل تاویل کا اختلاف ہے)۔ پھر یہ کہ قرآن حکیم میں ایک جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرماتے ہوئے اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب کبھی بھی منکرین قرآن تمہارے سامنے کوئی نرالی بات (یا عجیب سوال) لے کر آئے' اس کا ٹھیک جواب بروقت ہم نے تمہیں دے دیا: "وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا[۱۲]" (اور بہترین طریقہ ہے

---

۹۔ حاجی خلیفہ۔ کشف الظنون جلد اول' عنوان "علم التاویل"
۱۰۔ سیوطی۔ الاتقان نوع ۷۷
۱۱۔ محمد عظیم الزرقانی۔ مناہل العرفان جلد اول ص ۴۷۳
۱۲۔ سورۃ الفرقان : ۳۳

بات کھول دی)۔ اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے کہ "اس کتاب میں ایک قسم تو محکم آیتوں کی ہے' اور وہ کتاب کی اصل و بنیاد ہیں' اور دوسری قسم متشابہات کی ہے" پھر اس دوسری قسم کی بابت ارشاد ہوا ہے کہ "وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ" [۱۳] معلوم ہوا کہ ایک ہی مدعا و مفاد کو سمجھانے کے یہ دو مختلف تعبیری الفاظ ہیں۔

لیکن مفسرین کی ایک دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ تفسیر اور تاویل کے درمیان فرق ہے' اس جماعت میں ابو منصور ماتریدی (متوفی ۳۳۳ھ) ابو طالب ثعلبی' ابو القاسم محمد بن حبیب نیشاپوری (متوفی ۴۴۵ھ) ابو نصر قشیری (متوفی ۵۱۴ھ) اور راغب اصفہانی (متوفی ۵۰۲ھ) جیسے ائمہ فن ہیں' اور ابن حبیب نیشاپوری کو تو اپنے اس موقف پر اتنا اصرار تھا کہ وہ ایسے لوگوں کو مفسر ماننے کے لئے تیار ہی نہ تھے جو تفسیر اور تاویل کے درمیان فرق نہیں کرتے' چنانچہ وہ طنزاً کہا کرتے کہ:

"ہمارے زمانے میں ایسے مفسر پیدا ہو گئے ہیں کہ اگر ان سے تفسیر اور تاویل کے درمیان جو فرق ہے' وہ پوچھا جائے تو انہیں اس کا کوئی جواب ہی نہ سوجھے [۱۴]"۔

اور مجاہد اور ابن جریر کے متذکرہ بالا فقروں اور قرآن حکیم کی محولہ آیتوں کا جہاں تک تعلق ہے' تو یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ ان میں تفسیر اور تاویل کے الفاظ اپنے لغوی معنی کے لحاظ سے ہیں' نہ کہ اصطلاحی معنی میں مستعمل ہوئے ہیں اور لغوی مفہوم و معنی کے لحاظ سے دونوں کے مفاد و مآل چاہے ایک ہوں' لیکن معرض گفتگو میں علمی و فنی اصطلاح ہے' کہ از روئے اصطلاح تفسیر اور تاویل کے درمیان فرق ہے یا نہیں۔

## کیا فرق ہے؟

تفسیر اور تاویل کے درمیان فرق قرار دینے والے علماء کے درمیان "فرق ہے" کی حد تک تو اشتراک ہے' کیا فرق ہے؟ تو اس باب میں مختلف حضرات نے اپنے اپنے ذوق اور اپنے اپنے نقطۂ نظر سے مختلف طریقے پر فرق بیان کئے ہیں' جن میں سے اہم اور مشہور

---

[۱۳] سورہ آل عمران ۔ ۷ (اور اس کی تاویل کوئی نہیں جانتا مگر اللہ....)

[۱۴] بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزرکشی متوفی ۷۹۴ھ ۔ البرہان فی علوم القرآن نوع ۴۱

ترین درج ذیل ہیں۔

(۱) ماتریدی کے نزدیک فرق یہ ہے کہ تفسیر اس یقین کا نام ہے کہ لفظ سے یہی معنی مراد ہے' اور خدا کو شاہد ٹھہرا کر (قسم کھا کر) کہا جا سکے کہ اس نے لفظ سے یہی مراد لی ہے' اور تاویل اس کو کہتے ہیں کہ ایسے جزم و یقین کے بغیر جس پر حلف نہ لیا جا سکے' چند احتمالات میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جائے [۱۵]۔

(۲) ابو نصر قشیری کا قول ہے کہ تفسیر اتباع اور سماع میں منحصر ہے اور استنباط ایسی چیز ہے جو تاویل سے تعلق رکھتی ہے [۱۶]۔

(۳) صاحبِ "اتقان" نے بعض حضرات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جو بات کتاب اللہ میں مبین اور سنتِ صحیحہ میں معیّن واقع ہوئی ہے' اس کو تفسیر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے' اور تاویل وہ ہے جس کو اجتہاد کے شرائط رکھنے والے متقی علماء نے استنباط کیا ہو [۱۷]۔

غور و تعمق سے دیکھا جائے تو یہ تینوں وجوہ فرق اپنے مفاد و مآل کے لحاظ سے ایک ہی ٹھہرتی ہیں' کیونکہ مراد پر ایسا یقین جس کے لئے خدا کو شاہد ٹھہرا کر یہ کہا جا سکے کہ اس نے لفظ سے یہی مراد لی ہے' سماع کے بغیر ممکن نہیں اور یہی سماع ہے جسے تیسرے قول میں "سنتِ صحیحہ میں معین" کہا گیا ہے۔

مناسب ہے کہ اس کی ذرا وضاحت کر دی جائے۔ بات یہ ہے کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری سے متعلق فرمایا ہے کہ:

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ [۱۸]

(یعنی) "اور ہم نے تمہاری طرف الذکر (قرآن) نازل کیا' تاکہ لوگوں کے سامنے تم اس (تعلیم) کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو ان کے لئے نازل کی گئی ہے"

اور ایک دوسری جگہ یہ فرمایا ہے کہ

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ [۱۹]

(یعنی) "اور (یہ رسول) ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے"

---

۱۵ سیوطی۔ الاتقان۔ نوع ۷۷
۱۶ زرکشی۔ البرہان۔ نوع ۴۱
۱۷ سیوطی۔ الاتقان نوع ۷۷
۱۸ [illegible]
۱۹ [illegible] آل عمران: ۱۶۴

ترین درج ذیل ہیں۔

(۱) ماتریدی کے نزدیک فرق یہ ہے کہ تفسیر اس یقین کا نام ہے کہ لفظ سے یہی معنی مراد ہے' اور خدا کو شاہد ٹھہرا کر (قسم کھا کر) کہا جا سکے کہ اس نے لفظ سے یہی مراد لی ہے' اور تاویل اس کو کہتے ہیں کہ ایسے جزم و یقین کے بغیر جس پر حلف نہ لیا جا سکے' چند احتمالات میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جائے[۱۵]۔

(۲) ابو نصر قشیری کا قول ہے کہ تفسیر اتباع اور سماع میں منحصر ہے اور استنباط ایسی چیز ہے جو تاویل سے تعلق رکھتی ہے[۱۶]۔

(۳) صاحبِ "اتقان" نے بعض حضرات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جو بات کتاب اللہ میں مبین اور سنتِ صحیحہ میں معیّن واقع ہوئی ہے' اس کو تفسیر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے' اور تاویل وہ ہے جس کو اجتہاد کے شرائط رکھنے والے متقی علماء نے استنباط کیا ہو[۱۷]۔

غور و تعمق سے دیکھا جائے تو یہ تینوں وجوہ فرق اپنے مفاد و مآل کے لحاظ سے ایک ہی ٹھہرتی ہیں' کیونکہ مراد پر ایسا یقین جس کے لئے خدا کو شاہد ٹھہرا کر یہ کہا جا سکے کہ اس نے لفظ سے یہی مراد لی ہے' سماع کے بغیر ممکن نہیں اور یہی سماع ہے جسے تیسرے قول میں "سنتِ صحیحہ میں معین" کہا گیا ہے۔

مناسب ہے کہ اس کی ذرا وضاحت کر دی جائے۔ بات یہ ہے کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری سے متعلق فرمایا ہے کہ:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ[۱۸]

(یعنی) "اور ہم نے تمہاری طرف الذکر (قرآن) نازل کیا' تاکہ لوگوں کے سامنے تم اس (تعلیم) کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو ان کے لئے نازل کی گئی ہے"۔

اور ایک دوسری جگہ یہ فرمایا ہے کہ

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ[۱۹]

(یعنی) "اور (یہ رسول) ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے"۔

---

۱۵۔ سیوطی۔ الاتقان۔ نوع ۷۷
۱۶۔ زرکشی۔ البرہان۔ نوع ۴۱
۱۷۔ سیوطی۔ الاتقان نوع ۷۷
۱۸۔ سورۃ النحل : ۴۴
۱۹۔ سورۃ آل عمران : ۱۶۴

تو یہ اور اسی قبیل کی دوسری آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن کی تفسیر و تشریح تو وہی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں' کیونکہ اللہ کے کلام کے اصل معنی اور مراد کو یا تو خود اللہ تعالیٰ قرآن میں بیان کر دیتا ہے"۔ جیسے تیسرے قول میں "کتاب اللہ میں مبین" کہا گیا ہے اور جس کی بابت علماء یہ کہتے ہیں کہ "الآیات تفسر بعضها بعضًا" (بعض آیات خود بعض آیات کی تفسیر کر دیتی ہیں) یا پھر اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے کلام کے اصل معنی اور مراد کو بیان کرے جو اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے اور وحی الٰہی کے مہبط ہونے کے منصب پر فائز ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے سوا کسی اور شخص کے لئے کلامِ الٰہی کے صحیح منشا اور اس کی اصل مراد کا متعین کرنا ممکن نہیں' خواہ وہ شخص عقل و فہم اور فراست و تدبر کے لحاظ سے کتنے ہی بلند مقام پر فائز کیوں نہ ہو' کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح و توضیح کی خصوصیت قرآن حکیم یہ بیان کرتا ہے کہ:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰکَ اللّٰہُ[۲۰]

(یعنی) "(اے رسول) ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ لوگوں کے درمیان تم اس طرح فیصلے کرو جس طرح اللہ تم کو دکھائے"۔

اور ظاہر ہے کہ یہ "اراءۃِ الٰہی" (اللہ کا دکھانا) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے علاوہ کسی بھی دوسرے شخص کو میسر نہیں۔

پس ان تینوں اقوال کا مفاد و مال یہ ہے کہ تفسیر وہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اراءۃِ الٰہی کی رہنمائی میں واضح فرمایا اور اگر کوئی دوسرا شخص کلام الٰہی کے معنی و مفہوم سے متعلق کچھ کہتا ہے تو گویا وہ مختلف احتمالات میں سے کسی ایک کو ترجیح دیتا ہے' تو اسے تاویل کہا جائے گا' تفسیر نہیں' کیونکہ تفسیر کسی کلام کے وہ معنی بیان کر دینے کو کہتے ہیں جو متکلم نے خود مراد لئے ہوں اور یہ یا تو خود قرآن سے معلوم ہو گا یا سنتِ صحیحہ سے۔ اسی لئے علماء فرماتے ہیں کہ صحیح حدیث و سنت کے ہوتے ہوئے تاویل کا کوئی اعتبار نہیں' کیونکہ حدیث و سنت تفسیر قرآن ہی کا تو دوسرا نام ہے۔

---

۲۰۔ سورۃ النساء : ۱۰۵

(۴) راغب اصفہانی نے اپنے مقدمۃ التفسیر میں ایک مستقل عنوان قائم کر کے تفسیر اور تاویل کے درمیان فرق پر گفتگو کی ہے [۲۱]' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تفسیر بہ نسبت تاویل کے عام ہے' اور اس کا زیادہ تر استعمال مفرد الفاظ کی تشریح کے موقع پر ہوتا ہے مثلاً بَحِیرَۃ اور سَائِبَۃ اور وَصِیلَۃ جیسے غریب الفاظ کی توضیح یا کسی مجمل لفظ کی تشریح جیسے اَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ میں صلٰوۃ اور زکٰوۃ کی وضاحت کی جائے یا کسی ایسے کلام میں لفظ تفسیر کا استعمال ہوتا ہے جو کسی قصہ پر مشتمل ہو اور اس کے جانے بغیر اس کلام کا سمجھنا دشوار ہو' مثلاً "وَلَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوتَ مِنْ ظُھُورِھَا [۲۲]" (یہ کوئی نیکی کا کام نہیں ہے کہ تم اپنے گھروں میں پچھواڑے سے داخل ہو) اس کے برخلاف تاویل کا لفظ ہے کہ اس کا استعمال اکثر معانی اور جملوں میں ہوتا ہے' اس کے علاوہ ایک دوسرا فرق یہ ہے کہ تاویل کا زیادہ تر استعمال کتب الٰہیہ کے بارے میں ہوتا ہے اور لفظ تفسیر کو کتب آسمانی اور ان کے علاوہ دوسری کتابوں سے متعلق بھی استعمال کر لیتے ہیں۔

(۵) بجلی کا قول ہے کہ تفسیر کا تعلق روایت سے ہے اور تاویل کا درایت سے [۲۳]۔

(۶) ابو طالب الثعلبی کا قول ہے کہ تفسیر لفظ کی وضع کو بیان کرنے کا نام ہے' حقیقتاً ہو یا مجازاً جیسے الصِّراط کی تفسیر الطریق سے کرنا اور تاویل لفظ کی باطنی جہت اور اندرونی مدعا کی توضیح کا نام ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ تاویل حقیقت مراد کی خبر دینا ہے اور تفسیر دلیلِ مراد کا بیان کرنا ہے [۲۴]۔

---

[۲۱] ملاحظہ ہو مقدمہ التفسیر (راغب اصفہانی) فصل فی الفرق بین التفسیر والتاویل

[۲۲] سورۃ البقرہ : ۱۸۹

[۲۳] زرکشی۔ البرہان۔ نوع ۴۱۔ بحیثیت مفسر دو "البجلی" کے نام تراجم و سیر کی کتب میں آتے ہیں۔ ایک حسن بن محبوب البجلی متوفی ۲۲۴ھ اور دوسرے ابو عبد اللہ محمد بن ایوب البجلی الرازی متوفی ۲۹۴ھ۔ زرکشی نے صرف البجلی لکھا ہے' معلوم نہیں یہ کون ہیں' بظاہر ثانی الذکر معلوم ہوتے ہیں۔

[۲۴] سیوطی۔ الاتقان۔ نوع ۷۷۔ سیوطی نے یہاں "ابو طالب الثعلبی" لکھا ہے' لیکن تلاش بسیار کے باوجود کسی ایسے "ثعلبی" کا تذکرہ نہ مل سکا جن کی کنیت "ابو طالب" ہو۔ نہ ابن

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۷) صاحبِ اتقان نے کسی کا ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ تفسیر ایسے لفظ کی توضیح کا نام ہے جو صرف ایک ہی پہلو (معنی) کا حامل ہو اور تاویل مختلف معانی کے حامل کسی لفظ کو انہی معانی میں سے کسی ایک معنی کی طرف دلیل کے ساتھ لوٹانے اور ترجیح دینے کو کہتے ہیں [۲۵]۔ یہ بات تقریباً وہی ہے جو ماتریدی نے کہی ہے۔

(۸) ابن حبیب نیشاپوری اور بغوی (ابو محمد حسین بن مسعود متوفی ۵۱۰ھ) اور الکواشی (احمد بن یوسف الکواشی الموصلی متوفی ۶۸۰ھ) کا قول ہے کہ تاویل آیت کو ایسے معنی کی طرف پھیرنے کا نام ہے جو کتاب و سنت کے مخالف نہ ہو اور اس آیت کے ماقبل اور مابعد سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہو اور وہ آیت اس معنی کا احتمال رکھتی ہو اور وہ معنی استنباط کے طریق سے بیان کیا جائے [۲۶]۔

## عِباراتُنا شَتّٰی وحُسنکَ واحِد

یہ ہیں چند اہم اور مشہور وجوہِ فرق، جو تفسیر اور تاویل کے درمیان فرق قرار دینے والے علماء بیان کرتے ہیں، لیکن بنظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تاویل سے متعلق تقریباً ساری باتوں کا مبنیٰ وہی ہے جو تاویل کے لغوی معنی کے سلسلے میں کہا جا چکا ہے، یعنی چند معانی محتملہ میں سے کسی ایک معنی کی طرف آیت کا پھیر دینا۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ ساری باتیں

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

جزری (متوفی ۸۳۳ھ) کی غایت النہایہ فی طبقات القراء میں، نہ یاقوت حموی (متوفی ۶۲۶ھ) کی معجم الادباء میں، نہ ابن خلکان (متوفی ۶۸۱ھ) کی وفیات الاعیان میں، نہ کشف الظنون میں، نہ عمر رضا کحالہ کی معجم المؤلفین میں، نہ زرکلی کی الاعلام میں اور نہ خود سیوطی کی بغیۃ الوعاۃ اور طبقات المفسرین میں۔ اور ویسے جو مشہور مفسر ہیں اور جن کی تفسیر "الکشف والبیان" ہے وہ ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی متوفی ۴۲۷ھ ہیں۔

۲۵۔ سیوطی۔ الاتقان نوع ۷۷

۲۶۔ زرکشی۔ البرہان نوع ۴۱ اور سید شریف جرجانی (متوفی ۸۱۶ھ) بھی تاویل کی یہی تعریف الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ اس طرح کرتے ہیں کہ لفظ کو ایسے معنی کی طرف پھیرنے کا نام تاویل ہے جس کا احتمال وہ لفظ رکھتا ہو اور وہ معنی محتمل کتاب و سنت کے موافق ہو (ملاحظہ ہو تعریفات سید شریف ص ۳۴ مطبوعہ استانبول ۱۳۲۷ھ)

مستفاد ہیں تاویل کے لغوی معنی ہی سے۔ کسی نے بطریق اجتہاد و استنباط کہا' کسی نے بطریق درایت کہا' کسی نے باطنی جہت اور اندرونی مدعا کی توضیح کہا اور کسی نے یوں کہا کہ چند احتمالات میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا۔ غرض' تعبیر اور پیرایۂ بیان کا تو اختلاف ہے لیکن بات سب تقریباً ایک ہی کہہ رہے ہیں۔

## ضرورتِ تفسیر

جہاں تک تفسیر کی ضرورت کا تعلق ہے تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جو دلائل و براہین کی محتاج ہو' اور اگر تفسیر کی کھلی ہوئی ضرورت ہونے کے باوجود پھر بھی کسی کو دلائل و براہین مطلوب ہوں تو علامہ ابن تیمیہ' علامہ زرکشی اور علامہ سیوطی وغیرہم کی ان تحریروں کا مطالعہ کر لینا کافی ہے' جن میں اس پر سیر حاصل گفتگوئیں کی گئی ہیں[۲۷]' اور جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر خطاب اور ہر کلام اسی لئے ہوتا ہے کہ اس کے معنی و مطلب اور مفہوم و مقصود سمجھے جائیں اور اس کی مراد سے واقفیت حاصل کی جائے' نہ کہ محض الفاظ سن لئے جائیں' اور ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ لوگ کسی علم و فن کی کتاب پڑھیں اور اسے سمجھنے کی کوشش نہ کریں' تو قرآن کا معاملہ بدرجۂ اولیٰ فہم و تدبر کا تقاضا کرتا ہے اور جب عام کتابوں کا مطالعہ سمجھنے کے لئے کیا جاتا ہے تو کتاب اللہ کا فہم اس سے کہیں زیادہ ضروری ٹھہرتا ہے' کیونکہ یہ کتاب مسلمانوں کے لئے واحد دستورِ حیات ہے اور اس سے ان کی دنیا و آخرت میں فوز و فلاح اور نجات و سعادت وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی بے شمار آیات میں قرآن فہمی کا حکم دیا گیا ہے اور قرآن میں تدبر کی بشدت تاکید کی گئی ہے' اور قرآن میں تدبر اور غور و فکر نہ کرنے والوں پر زجر و توبیخ کی گئی ہے[۲۸] اور ظاہر ہے کہ قرآن میں تدبر اور غور

---

۲۷۔ ملاحظہ ہو علامہ ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) کی اصول تفسیر اور علامہ سیوطی کی الاتقان نوع ۷۷ اور علامہ زرکشی کی البرہان کی "فصل فی علم التفسیر" اور نوع ۴۱

۲۸۔ مثلاً سورۃ النساء رکوع ۱۱ میں ہے کہ "اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ" (پھر کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے) اور سورۂ محمد رکوع ۳ میں ہے کہ "اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا" (بھلا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں؟)

و فکر اور عقل و فہم سے کام لینے کا تعلق معانی و مطالب اور مراد و منشا ہی سے ہے نہ کہ محض الفاظ کے سن لینے سے' لہٰذا قرآن کے مفہوم و معنی کی تشریح و توضیح ضروری قرار پاتی ہے اور اسی کا نام تفسیر و تاویل ہے۔ بالخصوص جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قرآن کا نزول جن لوگوں کی زبان میں اور جن کے درمیان ہوا اور جو اس کے مخاطبین اول تھی' وہ بھی بسا اوقات اس وقت تک قرآن کے معنی و مقصد اور مراد و منشا کو نہیں سمجھ پاتے جب غور اور بحث سے کام نہ لیتے اور جب تک انہیں اسباب نزول وغیرہ کا علم نہ ہو جاتا' اور بسا اوقات انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کی ضرورت پیش آتی۔ مثلاً "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ ۲۹" سے صحابہ کو یہ الجھن پیش آئی کہ پھر کون ہے جس نے اپنی جان پر کوئی ظلم نہ کیا ہو یعنی کسی گناہ کا مرتکب نہ ہو گیا ہو تو صحابہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی بابت استفسار کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت میں وارد شدہ لفظ "ظلم" کی تفسیر میں فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے اور بطور دلیل سورۂ لقمان رکوع نمبر ۲ کی اس آیت کا حوالہ دیا کہ "اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ۳۰" (شرک ظلم عظیم ہے) تو جب صحابہ کے لئے تفسیر قرآن کی ضرورت تھی' تو ہمارے لئے تو تفسیر کی بدرجۂ اولیٰ ضرورت ہے' کیونکہ ہمیں احکامِ ظواہر میں بھی ایسے امور کے فہم و وضاحت کی حاجت ہے جن کی احتیاج صحابہ کو نہیں تھی۔

نیز یہ بھی کھلی ہوئی بات ہے کہ قرآن میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کا استعمال کہیں ان کے حقیقی معنی میں ہوا ہے اور کہیں مجازی معنی میں۔ اشتراک اور دلالت التزامی کی نوعیتیں بھی قرآن میں پائی جاتی ہیں' بہت سی جگہوں پر ابہام و اجمال ہے' کہیں آیات میں بظاہر تضاد و تناقض نظر آتا ہے' کہیں ناسخ و منسوخ کی صورتیں ہیں' کہیں اطلاق و تقیید کی پیچیدگیاں ہیں' کہیں وجوہ مخاطبات کی الجھنیں ہیں' کہیں کنایات اور تعریضیں ہیں' کہیں حصر

---

۲۹۔ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا تو ان ہی کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔" (الانعام: ۸۲)

۳۰۔ مسند امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) جلد ۵ ص ۲۰۷ مطبوعہ مصر ۱۹۵۰ء و بخاری ج ۲ (کتاب التفسیر)۔

اور اختصاص ہے اور کہیں انشاء بصورت خبر ہے۔ غرض' یہ اور اس قسم کے بے شمار داعیات ہیں جن سے علم تفسیر کی ضرورت واہمیت ثابت ہوتی ہے لیکن واضح رہے کہ اس ضرورت سے کماحقہ عہدہ برآ ہونا ہر کس وناکس کا کام نہیں ہے۔ بلکہ تفسیر قرآن کی جرأت کرنے سے پیشتر عربیت میں مہارت رکھنے کے ساتھ ساتھ اصول فقہ' علم قراءت اور علم معانی وبیان میں بھی درک وبصیرت ضروری ہے اور اسباب نزول' ناسخ ومنسوخ' محکم ومتشابہ وغیرہ علوم القرآن سے بھی اچھی طرح واقف ہونا چاہئے اور اسی لئے علامہ زرکشی نے علم تفسیر کا تعارف اس طرح کرایا ہے کہ:

"تفسیر وہ علم ہے جس کے ذریعے اللہ کی وہ کتاب سمجھی جاتی ہے جو اس نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی اور اس علم کے ذریعہ سے اس کتاب کے معانی کا بیان ہوتا ہے اور اس کتاب کے احکام کے استخراج کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اس کتاب کے حکم کو معلوم کیا جاتا ہے اور ان امور کے بارے میں علم لغت' صرف ونحو' علم بیان' اصول فقہ اور علم قراءت سے مدد لی جاتی ہے اور اس میں اسباب نزول اور ناسخ ومنسوخ کی معرفت کی بھی حاجت پیش آتی ہے[۳۱]۔"

اور یہاں ہم اتنی بات کا اور اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ محض عربیت اور علوم القرآن اور مذکورہ بعض دوسرے علوم سے اپنے آپ کو آراستہ کرلینا بھی تفسیر قرآن کے باب میں زبان کھولنے اور قلم چلانے کے لئے سندِ جواز فراہم نہیں کرتا' بلکہ حدیث وسنت پر بھی وسیع اور گہری نظر ہونی چاہئے' کیونکہ یہ بہرحال ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات واعمال وہ "تعلیمِ کتاب" ہے جس کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ[۳۲]۔"

"اللہ کا مومنوں پر یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے خود انہی میں سے ایک رسول

---

۳۱۔ زرکشی۔ البرہان "فصل فی علم التفسیر"۔ ۳۲۔ سورۂ آل عمران: ۱۶۴

مبعوث فرمایا جو ان کو آیاتِ الٰہی سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے"۔

اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و اعمال وہ "تبیینِ قرآن" (قرآن کی تشریح و توضیح) ہے جس کی بابت اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے تم پر قرآن نازل کیا "لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ ۳۳" لہٰذا محض زبان دانی اور عربیت سے واقفیت کو تفسیر قرآن کے لئے کافی تصور کرنے کا نتیجہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھانے کے سوا اور کچھ نہیں نکل سکتا۔

اور اب اخیر میں یہ بات بھی واضح رہنی چاہئے کہ گفتگو تفسیر و تاویل کے علم و فن سے متعلق ہو رہی ہے' نہ کہ قرآن سے ہدایت حاصل کر لینے سے متعلق۔ جہاں تک دینی فرائض پر عمل کے لئے ہدایت چاہنے کا تعلق ہے تو بے شک اس کے لئے قرآن نہایت سہل ہے' جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے کہ "وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ۳۴"۔ لیکن ہٹ دھرمی اور دھاندلی کو دخل نہ دیا جائے اور معقولیت پسندی سے کام لیا

---

۳۳ یعنی "تاکہ لوگوں کے سامنے تم اس کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو ان کے لئے نازل کی گئی ہے۔" (سورۃ النحل: ۴۴)

۳۴ یعنی "ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟" (سورۃ القمر۔ ۳۲) غور کرنے کی بات ہے کہ ایک طرف تو قرآن میں یہ ارشاد فرمایا جا رہا ہے اور دوسری طرف یہ بھی کہ "وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ" (سورۃ التوبہ: ۱۲۲) یعنی "یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سارے اہل ایمان نکل کھڑے ہوں پس کیوں نہ ایسا کیا گیا کہ ان کی آبادی کے ہر حصہ میں سے ایک جماعت نکل کر آتی تاکہ تفقہ فی الدین حاصل کرے اور جب (تعلیم و تربیت کے بعد) وہ لوگ اپنی قوم کی طرف واپس جاتے تو اسے (جہل و غفلت کے نتائج سے) خبردار کرتے تاکہ وہ (برائیوں سے) بچتے"۔

ایسا کیوں؟ یہ اس لئے کہ ہدایت اور نصیحت حاصل کرنا ہر شخص پر لازم ہے لیکن اجتہاد اور تفقہ فی الدین نہ ہر کس و ناکس کا کام ہے اور نہ ہر شخص کو اس کا موقع حاصل رہتا ہے کہ وہ زندگی کے سارے مشاغل اور کسبِ معاش وغیرہ کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے ساتھ ساتھ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)